مقالۂ خصوصی

تفسیر المنار۔تحلیل وتجزیہ

ابوسفیان اصلاحی *

تفسیر المنار اپنی مختلف خصوصیات کی بناء پر ایک بڑے علمی حلقہ میں جہاں پسند کی گئی وہیں ایک حلقہ نے اسے ہدفِ تنقید بھی بنایا، یہ حقیقت ہے کہ صاحب تفسیر المنار کے بہت سے خیالات سے اختلاف کی گنجائش ہے،لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دعوت الی اللہ وتدبر قرآن میں اس تفسیر کا ایک نمایاں حصہ ہے، یہ ان تفاسیر میں سے نہیں ہے جن میں صرف مفسرین کے اقوال نقل کئے گئے ہوں، اس میں تفکر وتدبر کی روح پوری طرح نمایاں ہے، کہیں مفسرین کی آراء سے استدلال کیا گیا ہے تو کہیں تردید بھی کی گئی ہے۔تفسیر آیات کے لیے سب سے پہلے آیات ہی کو بنیاد بنایا گیا، اس کے بعد تبیین آیات کے لیے احادیث سے مدد لی گئی۔تفسیر آیات کے وقت استنباط مسائل پر خصوصی توجہ برتی گئی۔اس تفسیر کا ایک امتیازی پہلو نظم قرآن ہے۔(۱) یعنی ماقبل کا مابعد سے ربط رکھتے ہوئے تفسیری مراحل طے کئے گئے ہیں، بار بار نظم قرآن کا حوالہ دیتے ہوئے مفاہیم کا تعین کیا گیا ہے،اس تفسیر میں اسباب نزول کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اس کی وجہ سے تفسیر قرآن کا حق ادا نہیں ہوتا کیونکہ قرآن کریم کی آفاقی حیثیت مجروح ہوتی ہے۔

تفسیر منار کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ مفردات قرآن (۲) پر خصوصی توجہ عنایت کی گئی ہے، کیونکہ مفردات کے معانی کا تعین نہ ہو تو مفاہیم آیات کی صحیح گرفت مشکل بن جاتی ہے۔مفردات کے سلسلے میں لغات، مفسرین کے اقوال اور کلام عرب سے مدد لی گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ کلام عرب سے استشہاد اس تفسیر کا اختصاص ہے۔کلام عرب کا مفردات کی توضیح میں نمایاں کردار ہے۔

قرآن کریم کا مقام ومرتبہ:

اس تفسیر میں شیخ محمد عبدہ اور رشید رضا نے کچھ مباحث پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے جابجا قرآن کریم کے مقام ومرتبہ کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔یہی وہ صحیفہ ہے جو ملت اسلامیہ کے لیے دین ودنیا دونوں میں کامیابی کی ضمانت بن سکتا ہے، مختلف مقامات پر امت مسلمہ کو اسے مضبوطی سے پکڑنے کی دعوت دی گئی ہے، کتاب الہی سے تعلق کے کمزور ہونے پر

* پروفیسر ڈاکٹر،شعبۂ عربی،علیگڑھ مسلم یونیورسٹی،انڈیا، asislahi@gmail.com
تاریخِ موصولہ: ۱۸رستمبر ۲۰۱۰ء

اظہار تأسف کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ تمام امراض کے لیے نسخۂ کیمیاء ہے۔ ایک جگہ قرآن کریم کی حیثیت یوں واضح کی گئی ہے کہ لوگوں کے تمام اختلاقی مسائل کے حل کے لیے یہی قرآن کریم ہے، اس کتاب میں یہ آواز اٹھائی گئی کہ ارباب اقتدار اپنے تمام فیصلوں میں اسی سے رہنمائی حاصل کریں، خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے کے لیے اس سے انحراف نہ کریں کیونکہ یہی کتاب درحقیقت حاکم ہے۔ اس کے ماسوا تمام احکام ودساتیر بے معنی ہیں۔ کسی ایک آیت کی بناء پر اس کی من مانی تاویل نہ کی جائے، کسی مسئلہ میں تمام متعلقہ آیاتِ کریمہ کو سامنے رکھ کر کسی نتیجہ تک پہنچا جائے۔ لیکن مختلف کتابیں اور خواہشاتِ نفس حکم کا درجہ رکھتی ہیں۔ انسان مختلف مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ نفع بخش چیزوں میں طرح طرح کے اختلافات کا شکار ہے۔ یہ اختلاف دراصل مختلف تاویلات کی وجہ سے ہیں۔ ہر شخص کی اپنی الگ الگ سوچ ہے، یہی وجہ ہے کہ منفعت بخش چیزیں ذریعۂ فساد بن جاتی ہیں۔ اور دواء خود ایک مرض کی صورت اختیار کر لیتی ہے، اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو مرجع قرار دیا اور خواہشات حکام کی پیروی سے منع کیا۔ (۳)

ایک دوسری جگہ امت مسلمہ کی قرآن کریم سے غفلت اور لاپرواہی کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے: ''یہ حد درجہ باعث تعجب ہے کہ امت مسلمہ سنت الٰہی سے اس قدر بے خبر ہے کہ آج تمام قوموں میں سب سے بدترین قوم شمار کی جا رہی ہے، یہ قوم شب و روز تلاوت قرآن میں مصروف ہے لیکن دلوں پر اس کا کوئی اثر نہیں اور نہ ہی یہ تلاوت انہیں اللہ کی راہ میں انفاق پر ابھارتی ہے۔ جبکہ اس کتاب الٰہی کے متعلق کہا گیا کہ اگر یہ کسی پہاڑ پر نازل کر دی جائے تو اللہ کی ہیبت اور ڈر سے اس پر ایسی تھرتھری طاری ہو کہ وہ پاش پاش ہو جائے یقیناً کتاب ہدایت کو اختیار کرنے والے خوش بخت اور ترک کرنے والے بد بخت ہیں اگر متقدمین نے اقامت سنت الٰہی کے توسط سے خوشنودی خداوندی کو حاصل نہ کیا تو وہ آخرت کی کامیابی سے محروم رہیں گے، یہ ایک حقیقت ہے کہ دوسرے بہت سے لوگ اس کے ترک کرنے کی وجہ سے دنیا اور آخرت دونوں کی سعادت سے محروم رہے، یقیناً یہ ایک فاش ناکامی ہے۔'' (۴)

اس تفسیر میں متعدد مقامات پر قرآن کریم کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے اور امت مسلمہ کو اس کی طرف بلانے کی قابلِ ذکر کوشش کی گئی ہے، محمد عبدہ اور رشید رضا کا دعوتی انداز نہایت مؤثر اور بلیغ ہے، درحقیقت یہ دونوں داعیٔ دین تھے، رشید رضا نے تو دعوت وارشاد کے لیے ''**الجمیعة و الإرشاد**'' نامی تنظیم کی بنیاد بھی ڈالی تھی۔ (۵)

بدعات وخرافات:

اس تفسیر کا ایک بنیادی نکتہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کے مقام ومرتبہ سے بحث کی گئی، ملک وملت کے تحفظ پر روشنی ڈالی گئی اور ان کے اندر سرایت کردہ خامیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، رشید رضا کو ہر آن یہ فکر دامن گیر رہی کہ امت کو بدعات و خرافات سے بچایا جائے اور ان تشخص کی حفاظت کے لیے تدبیر پیش کی جائے۔ استاد امام محمد عبدہ کا خیال ہے کہ قرآن کریم اور اقوال نبی کریم ﷺ کے استناد کے بغیر دین اسلام میں کسی چیز کا اضافہ کیا گیا تو وہ بدعت ہے۔ گویا اللہ کے متعلق ایک بے

بنیادبات کہی جارہی ہے مثلاً دین اسلام کے حوالہ سے قبور کی زیارت، جنازوں کے پیچھے قصیدۂ بردہ (۶) یا معروف قصائد کو خاص انداز سے پڑھنا بدعت ہے، یا چاند کی دھونی لے کر چلنا اوراس کے آگے آگے جھنڈوں کو بلند کرنا غیراسلامی رسومات میں شامل ہے۔ اس طرح اجتماعی صورت میں ''دلائل الخیرات'' اور دوسرے اوراد کا خاص بلندآواز میں پڑھنا بدعات میں شمار کیا گیا ہے، کیونکہ دوسری قوموں سے ہم لوگوں میں یہ تمام خرافات سرایت کرگئی ہیں، دین اسلام میں صرف بآواز بلند اذان دینے کا حکم آیا ہے، نماز کے متعلق اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''وَ لَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِکَ وَ لَا تُخَافِتۡ بِهَا '' اورآپ اپنی نماز نہ بلندآواز سے پڑھیں نہ بہت آہستہ۔

(الاسرٰ ۱۷/۱۱۰)

دین اسلام میں اس کی بھی اجازت نہیں ہے کہ تلبیہ کو بلندآواز یا چیخ چیخ کرادا کیا جائے۔ تلبیہ کے وقت آواز کی بلندی کثرت اژدحام اوراختلاف اصوات کی وجہ سے ہوتی ہے گو کہ لوگ صوفیا کی طرح آواز بلند کرنے کی ہرگز کوئی کوشش نہیں کرتے۔ عقائدواحکام میں بدعات اس لیے سرایت کرگئی ہیں کہ علماء کرام تساہلی کا شکار ہیں۔ (۷)

رشید رضا فرماتے ہیں کہ مسائل ومصائب میں لوگ اللہ کے علاوہ قبروں پر جاکر مردوں کو ''یافلاں یافلاں'' کہہ کر پکارتے ہیں اور یہ شرک ان کے سامنے دعاء علم وعرفان کی صورت بن کر آتا ہے، انھی لوگوں کا یہ تصور بھی ہے کہ زندوں کی طرح ان مردں سے کرامات بھی ثابت ہیں۔ جبکہ ارشاد ربانی ہے:

''بَلۡ اِيَّاهُ تَدۡعُوۡنَ فَيَكۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَيۡهِ اِنۡ شَآءَ'' (الانعام: ۶/۴۱) بلکہ تم (اس وقت) اللہ ہی کو پکاروگے اوراگر اللہ چاہے تو یہ مصیبت تم سے ٹال دے گا۔ جس کے لیے تم اسے پکارتے تھے۔

معاشرتی خرابیاں:

اس تفسیر میں ان خامیوں کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے جو معاشرہ میں عام ہوچکی تھیں، شراب کی حرمت اوراس کے مضراثرات کے سلسلے میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اوراسے معاشرہ کے لیے مضراور مہلک بتایا گیا ہے، شراب پینے کے سبب متعدد خرابیاں پروان چڑھتی ہیں مثلاً باہمی معاملات نزاعی بن کر محبت ویگانگت کے سلسلے ختم کردیتے ہیں۔

''اِنَّمَا يُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّوۡقِعَ بَيۡنَكُمُ الۡعَدَاوَةَ وَ الۡبَغۡضَآءَ فِى الۡخَمۡرِ وَ الۡمَيۡسِرِ '' شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے۔

(المائدۃ ۵/۹۱)

ایک شرابی تمام اہم رازوں کو کھول دیتا ہے اگر اس کا تعلق ایوان حکومت، سیاسی اموراورعسکری معاملات سے ہے تو ملک کو شدید خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، شراب کی وجہ سے انسان سخت مالی بحران سے دوچار ہوتا ہے، اس کی خوش حالی اس سے روٹھ جاتی ہے، آج کے زمانے میں شراب کی بیشمار دکانیں ہیں، اس کی متعدد اقسام ہیں، انتہائی مہنگی ہے، شراب کے تاجر شراب

کے ساتھ ساتھ زنا کا کاروبار بھی چلاتے ہیں، قاہرہ میں یہ کاروبار عروج پر ہے، ایسے لاتعداد قحبہ خانے ہیں جہاں شراب اور عورت دونوں کا انتظام ہے، وہاں مغنیہ اور رقاصہ دونوں ہیں، یہاں فرداً فرداً یا دس دس بیس بیس کی ٹولیوں میں لوگ آتے رہتے ہیں اور روپے لٹانے میں ایک دورے میں مسابقت ہوتی ہے۔ ایک شخص ایک رات میں سیکڑوں ہزاروں روپے برباد کردیتا ہے۔

اس کا ایک دوسرا نقصان یہ ہے کہ شرابی عبادت خداوندی سے بے پرواہ ہوتا ہے، حتیٰ کہ نماز جیسے اہم رکن سے بھی غافل جسے دین کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔(۸) سورہ توبہ میں اس کی ذہنیت کی طرف یوں اشارہ کیا گیا:

"یَصُدَّکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ عَنِ الصَّلٰوۃِ"　　　اور تم لوگوں کو یاد خدا اور نماز سے باز رکھے۔

(المائدۃ، ۵/۹۱)

وطنیت:

عربوں کا ایک خطرناک مرض قومیت اور وطنیت ہے جس نے ان کے تمام دینی رشتوں کو کمزور بنادیا، اسلامی اخوت کی عظمت کو زمین بوس کردیا، تحفظ وطنیت میں تلواریں تن گئیں، یہ مقام حیرت ہے کہ یہی وطن پرست ماہرین قرآن، محدثین اور علماء شریعت سے برسرپیکار ہیں، دینی عقائد ان کے نزدیک قابلِ تنقید ہیں، شریعت شناسوں سے اختلاف کرتے ہیں۔ یہی عاقبت نااندیش مسئلہ الٰہ پر علماء اسلام سے جنگ وجدال پر آمادہ ہیں، جبکہ وہ علم شریعت اور معرفت قرآن کریم سے عاری ہیں۔ دینی رابطہ سے قطع نظر وطنیت کے علم بردار ہیں۔ اسی کے توسط سے ملت اسلامیہ کے مابین تفریق کا بیج بو رہے ہیں، ان میں اتنی صلاحیت نہیں کہ علماء ربانیین اور جہلاء کے مابین امتیاز کرسکیں۔(۹)

مجلّہ المنار میں "الجامعۃ الاسلامیۃ" اور "الوحدۃ الاسلامیہ" کا تصور نہایت زور وشور سے پیش کیا گیا، اس کے پیچھے جمال الدین افغانی (۱۸۳۹ء۔۱۸۹۷ء) کی جدوجہد کارفرما ہے جو زندگی بھر اس تصور کے احیاء کے لیے دامے درمے سخنے سرگرم عمل رہے۔(۱۰) تفسیر المنار میں بآواز بلند بتایا گیا کہ تصور وطنیت نے اصحاب ایمان کے باہمی رشتوں اور آپسی وثوق کو تہس نہس کردیا ہے اب ملت اسلامیہ کا سارا انحصار اجنبیوں (انگریزوں) پر ہے، ملی روابط پارہ پارہ ہوگئے، انہیں ان حقائق اور معاشرتی رشتوں سے کوئی غرض نہیں جو ان کی وحدت کو تقویت بخشے، انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے رشتوں پر تیشہ چلایا، جامعہ اسلامیہ کے برعکس وطنی رشتوں کے فرغ کے لیے فکرمند ہیں۔ مصر پر اس کے خاصے اثرات مرتب ہوئے، یہ امت اسلامیہ جو کل اپنے اسلاف کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی آج ان تمام امتیازات سے کوسوں دور ہے اور سلف صالحین سے بعد مشرقین، قرآن کریم نے ایسے مومنین کو اس طرح یاد کیا ہے:

"فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا" (مریم: ۱۹/۵۹)	پھر اس کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات کے پیچھے چل پڑے وہ عنقریب عذاب سے دوچار ہوں گے۔

اس تفسیر میں مختلف قرابت داریوں اور انسانی رشتوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا گیا کہ آج یہ رشتے انس والفت کو فروغ دینے کے برعکس، مخاصمت ومعاندت کے ضامن ہیں۔دن بدن یہ رشتے کمزور پڑتے جارہے ہیں۔شادیوں سے قربت کے بجائے دوریاں بڑھتی جارہی ہیں۔ایک صاحب ایمان دوسرے کے خلاف سازشین بن رہا ہے، یقیناً یہ قرآن کریم سے دوری کی دلیل ہے، ان کی کوئی شریعت اور انکا کوئی دین نہیں ہے، خواہشات ہی ان کے معبود اور تمنائیں ہی انکی شریعت ہیں۔(۱۱) جبکہ قرآن کریم میں رشتوں کی اہمیت کو اس طرح اجاگر کیا گیا ہے:

"وَ اتَّقُوا اللهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ" (النساء: ۴/ ۱)　　اور اس اللہ کا خوف کرو جس کا نام لے کر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابت داروں کے بارے میں بھی (پرہیز) کرو۔

دعوت الی الدین:

جس طرح تفسیر منار میں مختلف سیئات اور برائیوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے، اسی طرح ان عوامل ومحرکات کو ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے جن کی وجہ سے اسلامی ذکر وفکر میں استحکام پیدا ہو، اسلامی فضا اور اسلامی ماحول کے قیام میں صرف ایمان صحیح ہی معاون ہے۔وہ ذہنی ظلمت اور شکوک وشبہات کے لیے سم قاتل ہے۔غلط راستوں سے بچا کر صراط مستقیم پر گامزن کرنے کا واحد طریقہ ہے، تمام آفات ومصائب سے محفوظ رکھنے کا ضامن ہے، صاحب ایمان کسی چیز کو غور وخوض کے بعد اختیار کرتا ہے اور دین ودنیا کے اعتبار سے اس کے محاسن ومعائب پر نظر ڈالتا ہے۔ایمان صحیح دراصل ایک ایسا نگراں ہے جس کے تعاون سے تمام حضرات سامنے آجاتے ہیں یہی نگاہ اللہ کی کارفرمائیوں اور صناعیوں تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔(۱۲)

اس تفسیر میں ایک جگہ یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہ ایک معمولی مشاہدہ ہے کہ ایک غیر مومن دنیاوی جاہ ومنزلت میں ایک مومن سے کہیں برتر ہے، دنیائے فانی میں اسے زیادہ اعزاز واکرام حاصل ہے اہل دنیا کے پاس لاؤ لشکر، مال ودولت اور منصب ومرتبت سب کچھ ہے لیکن ایک مومن کے نزدیک یہ کامیابیاں عبث ہیں، مومن کا سب کچھ آخرت ہے، اخروی اور دائمی زندگی میں اس کا مقام کفار سے اعلیٰ وافضل ہوگا، کفار دنیاوی عیش وعشرت میں اس قدر گھرے ہوئے ہیں کہ انہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد سے کوئی غرض نہیں، ایمان درحقیقت اطاعت وتقوی کا نام ہے اس کے نزدیک "**نعیم مقیم**" (دائمی نعمتیں) کے بالمقابل دنیاوی زندگی بے معنی ہے، یہ صفات عام مؤمنین کی نہیں بلکہ ان اصحاب ایمان کی جنھیں قرآن کریم میں "مؤمنین" کہا گیا ہے جو بہر حال خواہشات ولذات کے سامنے حق کے مؤید ہیں لیکن کفار کی نظر میں دنیاوی زینت وآرائش ہی حقیقی معیار ومحور ہے۔(۱۳)

رشید رضا نے تفسیر المنار میں روزہ کے حوالہ سے نہایت تفصیلی گفتگو کی ہے، اس کے پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے فقہی مسائل بھی بیان کئے ہیں نیز اس مبارک مہینے کی عظمت وتقدس کو منظر عام پر لاتے ہوئے سب سے پہلے یہ وضاحت کی گئی کہ روزے کے جہاں بہت سے روحانی فوائد ہیں وہیں اس کے مادی فوائد بھی ہیں۔مثلا بہت سی چیزیں جو جسم کے

اندر جا کر بیٹھ جاتی ہیں، یہی صحت کے لیے آگے چل کر خطرے کا سبب بنتی ہیں، روزہ ان مسموم مادوں کا دشمن ہے، اسی طرح کاہل اورعیش پرست مالداروں کے بدن مختلف مضر اشیاء کی آماجگاہ بن جاتے ہیں، روزے سے یہ فاسد مادے زائل ہوجاتے ہیں، روزہ دراصل رطوبات ضارۃ کوسکھا دیتا ہے، آنتوں کوان گندے پانی اور جراثیم سے پاک کردیتا ہے جو پیٹ کی بیماری کا سبب ہے، اسی سے پیٹ کی چربی زائل ہوجاتی ہے، جو دل کے لیے نہایت خطرناک ہے، روزے کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جسے اس لیے دبلا کیا جاتا ہے کہ اس کی قوت کروفر میں اضافہ ہو۔حدیث رسول ﷺ ہے ”صوموا تصحوا“ روزہ رکھوتاکہ تندرست ہوجاؤ۔

”اغزوا تنتنموا وصوموا تصحوا وسافروا تشعتوا“ جنگ کروتاکہ (مال) غنیمت پاؤ، روزہ رکھوتاکہ صحت یاب ہوجاؤ اور سفر کروتاکہ مال دار ہوجاؤ۔

بعض انگریز اطباء کا خیال ہے کہ سال میں ایک ماہ کے روزے سے جسم کے اندر موجودہ مردہ فضلہ ایک سال تک کے لیے ختم ہوجاتے ہیں۔اس کے علاوہ رشید رضا نے روزہ کے معاشی اور معاشرتی فوائد کی جانب بھی اشارہ کیا ہے (۱۴)۔

قرآن کریم کی آیت ”وَ عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ “ پر مفسرین اور نحوبین نے اپنے اپنے خیالات پیش کئے ہیں، شیخ محمد عبدہ کا خیال ہے کہ ”الاطاقة“ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص کے اندر کسی کام کوانجام دینے کی نہایت ادنی درجہ کی قوت ہو، اس کام کی ادائیگی کے لیے اسے سخت مشقت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو۔اسی لیے عرب ”اطاق الشیٔ“ نہیں کہتے، اس کا استعمال اس وقت ممکن ہے جب عامل کی قوت انتہائی ضعف کی حد میں داخل ہوچکی ہو، ”الذین یطیقون “ سے مراد پیرفرتوت اور مزمن امراض میں مبتلا حضرات ہیں جنہیں مرض سے نجات کی کوئی امید نظر نہ آئے، اسی زمرے میں وہ مزدور بھی شامل ہیں جنہیں حصول معاش کے لیے سخت ترین مراحل سے گزرنا پڑتا ہے مثلاً کوئلے کی کان سے کوئلوں کا نکالنا، اسی زمرے میں وہ مجرم بھی آئیں گے جنہیں مستقلاً مشکل ترین کاموں پر لگادیا گیا ہو، جنہیں روزہ رکھنا دشوار گزار ہوتو وہ روزہ کے عوض میں فدیہ دے سکتا ہے۔(۱۵) یعنی عبدہ کا خیال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سخت ترین اذیت یا مرض سے دوچار ہوجائے تو اسے روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے اور اس کے عوض میں مسکین کو فدیہ دے سکتا ہے۔

”یطیقون“ کے سلسلے میں اکثر مفسرین کی طرح عبدہ نے بھی غلطی کی ہے، ”اطاق“ کا جو مفہوم انہوں نے بتایا ہے اس کی تائید کلام عرب اور لغت سے نہیں ہوتی، یہاں ”اطاق“ اپنے معروف معنی ہی میں ہے اور ”یطیقونه“ میں جو ضمیر ہے اس سے روزہ مراد نہیں بلکہ ”طعام مسکین “ ہے۔پوری آیت کھول دی جائے تو یوں ہے ”وعلی الذین یطیقون طعام مسکین ففدیة طعام مسکین“ لیکن ایجاز اور بلاغت کے پیش نظر ایک جگہ ”طعام مسکین“ کو حذف کردیا گیا ہے، اس سلسلے میں مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر میں اس کی طرف اس طرح وضاحت کی ہے:

”اس تاویل کو قبول کر لینے کے بعد مسئلہ کی شکل سامنے آتی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ پہلے جو روزے فرض ہوئے تھے اس

میں اس بات کی بھی گنجائش تھی کہ لوگ اگر روزے نہ رکھنے چاہیں تو اس کا بدل مسکین کو کھانا کھلا کر پورا کر دیا کریں، بلکہ قرآن کے الفاظ سے اس کی اصل شکل یہ سامنے آتی ہے کہ جو لوگ بیماری یا سفر کی وجہ سے رمضان کے روزے نہیں رہ سکتے تھے، ان کو اس بات کی اجازت تھی کہ دوسرے دنوں میں یا تو روزے رکھ کر ان چھوڑے ہوئے روزوں کی تلافی کریں یا مسکین کو کھانا کھلا کر بھی ہو سکتی تھی۔ بعد میں یہ اجازت جیسا کہ آگے والی آیت سے واضح ہوگا کہ منسوخ ہوگئی، یعنی قضا شدہ روزوں کی جگہ بھی روزے رکھنا ہی ضروری قرار دیدیا گیا''۔(۱۶)

مولانا امین احسن اصلاحی کے اسی خیال کو نہایت مدلل انداز میں ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی نے ''تدبر قرآن میں لفظ ''یطیقون'' کی لغوی تحقیق'' کے عنوان سے پیش کیا ہے جس سے وضاحت کے ساتھ یہ بات سامنے آگئی کہ ''اطاقه'' اپنے معروف معنی میں ہے یعنی اس میں مشقت کا مفہوم شامل نہیں ہے۔ مضمون کے اختتام پر عورتوں کی بیعت سے متعلق ایک حدیث نقل کی گئی ہے، جس میں آنحضورﷺ نے فرمایا''فیما استطعتن واطقتن'' اس حدیث پر ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی نے یوں اظہار خیال کیا ہے:

''اس حدیث میں استطاعت اور''اطاقت'' دونوں الفاظ ایک ہی سیاق میں آئے ہوئے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کا محل استعمال شرعی احکام کی حد تک ایک ہے، ان کے درمیان لغوی فرق جو بھی ہو مگر یہ فرق اسی نوع کا ہوگا جو دو حلیف الفاظ کے درمیان ہوتا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے حریف اور ضد ہوں بایں طور کہ''استطاعت'' تکالیف شرعیہ کے لیے شرط ٹھہرے اور''اطاقت'' یا''طاقت'' ان سے آزادی یا رخصت کا پروانہ بن جائے''۔(۱۷)

''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ'' کو بھی موضوع بحث بناتے ہوئے بتایا گیا کہ''انزال قرآنی'' سے مراد یہ ہے کہ نزول قرآن کی ابتداء اس ماہ مبارک میں ہوئی اور اس کے بعد مدت بعثت کے اندر رفتہ رفتہ مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر نازل ہوتا رہا، نزول قرآن کی ابتداء ماہ رمضان کی شب قدر سے ہوا، جسے قرآن کریم میں لیلة القدر یا لیة مبارکة کہا گیا ہے، ایک خیال یہ بھی ہے کہ لوح محفوظ سے پورا قرآن دنیاوی آسمان پر اتار کر آہستہ آہستہ آنحضورﷺ پر اتارا گیا، اسی طرح ایک روایت یہ بھی ہے کہ تمام آسمانی کتب کا نزول شہر رمضان میں ہوا، شیخ محمد عبدہ کا خیال ہے کہ یہ روایات بے بنیاد ہیں۔(۱۸)

''فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ'' کی تفسیر کرتے ہوئے محمد عبدہ نے بتایا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھنے کا سلسلہ صدر اول سے چلا آرہا ہے، اسی لیے بعض مفسرین کے یہاں''شہر'' سے''ہلال'' مراد ہے۔(۱۹)

تفسیری خیالات:

قرآن کریم میں کتابیہ سے خاص حکمت کے تحت شادی کی اجازت دی گئی ہے، چونکہ کافی حد تک عیسائیت اور دین اسلام میں ہم آہنگی ہے اور اس کا بھی امکان ہے کہ مومن شوہر اسے قبولیت اسلام سے سرفراز کر سکے، لیکن آج کے حالات

اور سیاسی سرگرمیوں کے پیش نظر اس میں احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کتابیہ بیوی فساد کا ذریعہ بن جائے اور مومن شوہر سے سرتابی پر اتر آئے، کیونکہ صورتحال یہ ہے کہ ''بہت سے مصری نوجوانوں نے انگریز لڑکیوں سے شادی کی اور انہوں نے ان کے دینی و ملکی معاملات کو تباہ و برباد کر ڈالا، جس کی وجہ سے انہیں مجبوراً طلاق دینی پڑی، بہتوں کو مال سے ہاتھ دھونا پڑا، یہ بھی مشاہدہ ہے کہ فرانسیسی بیوی نے اپنے مالدار شوہر کو قتل کر کے اس کے میراث میں سے اپنے حق کا مطالبہ شروع کر دیا، بہت کم ایسی مثالیں ملیں گی کہ کتابیہ بیوی ہدایت یافتہ ہوگئی ہو اور اس نے اسلام کو قبول کر لیا ہو، یہ وبا چل پڑی ہے کہ مسلم لڑکیوں نے عشق و محبت میں دین اسلام کی پرواہ کئے بغیر انگریزوں سے شادیاں رچالیں، یہ بھی ایک سنگین مسئلہ ہے، اس شر سے اللہ ملک کو محفوظ رکھے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اسلامی تربیت اور اصلاح حکومت کا بیڑا از سرنو اٹھایا جائے۔(۲۰)

''وَ لِلرِّجَالِ عَلَيۡهِنَّ دَرَجَةٌ '' کی تفسیر کرتے ہوئے عورتوں کے بہت سے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، استاذ عبدہ نے یہ واضح کیا کہ دین اسلام نے جو اعزاز و اکرام عورتوں کو عطا کیا اس کا کسی اور شریعت میں پتہ نہیں چلتا، تمام دینی اور دنیاوی امور میں اسلام نے دونوں کو یکساں حقوق عطا کئے، ایک گونہ مرد کو عورت پر اس لیے فضیلت ہے کہ وہ عورت کے نان و نفقہ کا منتظم ہے اور ملکی امور کا محافظ ہے، ازدواجی زندگی ایک اجتماعی مسئلہ ہے اور اس میں ذمہ دار مرد کو بتایا گیا ہے تاکہ اجتماعی نظام درہم برہم نہ ہو سکے، شیخ عبدہ نے بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو تمام علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنے کی اجازت دی ہے، یہاں تک کہ کبھی حالات کے مدنظر عورتوں سے سرحد کی حفاظت کی بھی ذمہ داری لی ہے۔ عصر حاضر میں عورتیں ملک کے تحفظ کے لیے ٹینک بھی دوڑائیں گی، بندوق بھی اٹھائیں گی اور بحری جہاز بھی چلائیں گی، اس کے علاوہ مختلف جدید علوم و فنون میں انہیں دسترس حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ تاریخی شہادت موجود ہے کہ عہد رسالت اور عہد خلفاء راشدین میں خواتین مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں اور جنگ میں زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں، بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے قرآن کریم کی آیت ''یا یھا الذین آمنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا ''(اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو آگ سے بچاؤ) کو نقل کرتے ہوئے فرمایا:

''علموا انفسکم و اھلیکم الخیر و أدبوھم'' اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو بھلائی کی تعلیم دو اور انہیں مؤدب بناؤ۔

اہل میں عورتیں، بیٹے و بیٹیاں، غلام اور لونڈیاں سبھی شامل ہیں، یہاں تک کہ اس میں تمام اعزاء اور عوام الناس بھی شامل ہیں، گویا ایک مومن کی ذمہ داری ہے کہ دنیا کے تمام علوم و فنون کی تعلیم و تربیت کو اہل خانہ قرابت داروں اور لوگوں میں عام کرے، کیونکہ بہتر تعلیم و تربیت ہی سے لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچایا جا سکتا ہے اور اعلیٰ تربیت ہی بدترین اور مایوس ترین معیشت اور بدنظمی سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔(۲۱)

قرآن کریم کی آیت ”والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین “ کی تشریح میں محمد عبدہ نے بعض طبی نکات بیان کئے ہیں، انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو خود دودھ پلائیں، اس پر ڈاکٹروں کا اتفاق ہے کہ بچوں کے لیے ماں کا ہی دودھ سب سے زیادہ مفید ہے کیونکہ اندرونی رحم جس خون سے اس کی ساخت بنی ہوئی ہے باہر بھی اسی کا دودھ اس کے لیے مناسب ہے۔ استاذ محمد عبدہ نے یہ بھی کہا کہ دودھ پلانے والی کے دودھ کا بچوں کے اخلاق اور ساخت پر خاصا اثر پڑتا ہے، اس لیے اس کا خیال رہے کہ کوئی مریضہ یا بدکردار عورت شیر خوار کو دودھ نہ پلانے پائے، لیکن ماں کے دودھ سے کسی طرح اندیشہ نہیں ہے کیونکہ جنین کے اندر جو کچھ بچہ حاصل کر چکا ہے اب باہر بیمار یا بدکردار ماں مزید اس کے اخلاق پر اثر انداز نہیں ہوسکتی ہے، چونکہ ہم دین فطرت کے پیروکار ہیں، اس لیے مناسب ہے کہ ایک مومنہ فطرت کے مدنظر بذات خود اپنے نوزائیدہ کو دودھ پلائے۔(۲۲)

آیت ”حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَ قُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ“ کی تفسیر کرتے ہوئے رشید رضا نے فرمایا کہ محافظت میں مشارکت بھی شامل ہے، اگر کوئی نماز کی محافظت کرے گا تو اللہ تعالی اس کی محافظت فرمائے گا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

”فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ“ (البقرہ:۲/۱۵۲) پس مجھے تم سب یاد کرو گے تو میں تمہیں یاد کروں گا۔

یعنی نماز کی محافظت انسان کو فواحش ومنکرات اور ابتلاء وآزمائش سے محفوظ رکھتی ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

”وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ“ (البقرۃ، ۲/۴۵) اور تم لوگ صبر اور نماز کے تعلق سے مدد کے خواستگار بنو۔

استاذ محمد عبدہ کا خیال ہے کہ ”حافظوا علی الصلوات“ کے برعکس ”احفظوھا“ (اس کی حفاظت کرو) نہیں کہا گیا کیونکہ مفاعلت سے منازعہ ومقاومہ کا پتہ چلتا ہے، اس میں مشارکت کا مفہوم نہیں ہے کیونکہ جس تندہی سے مصلی نماز کی حفاظت فرمائے گا اسی جوش وجذبہ سے نماز اسے حفظ وامان فراہم کرے گی، یہاں پر محافظت کے ساتھ صلہ ”علی“ آیا ہوا ہے جس میں حفظ صلوۃ کے باب میں مداومت اور سخت جدوجہد دونوں شامل ہے۔(۲۳)

رشید رضا نے ”صلوۃ وسطیٰ“ پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے اس سلسلے میں اٹھارہ اقوال نقل کئے ہیں جمہور کا خیال ہے کہ اس سے عصر کی نماز مراد ہے، جیسا کہ حدیث نبوی ہے کہ:

”شغلونا عن الصلوۃ الوسطی صلوۃ العصر“ انہوں نے ہمیں ”صلوۃ وسطیٰ“ یعنی صلوۃ عصر سے غفلت میں ڈال دیا۔

اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ:

"ملأ الله قبورهم وبيوتهم نارا كما شغلونا عن الصلوة الوسطى حتى غابت الشمس"

اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ انہوں نے ہمیں "صلوۃ وسطیٰ" سے لا پرواہ بنا دیا حتی کہ سورج غروب ہو گیا۔

چونکہ یہاں نماز عصر کا ذکر نہیں ہے، اس لیے بعض نے اس سے ظہر اور عصر دونوں مراد لیے ہیں اور یہ دونوں متوسطہ ہیں، یہ دونوں ہی نمازیں اس وقت ادا کی جاتی ہیں جب کہ انسان ہجوم کار میں گھرا رہتا ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے نماز فجر مراد ہے، کیونکہ تمام نمازوں میں اسے خاص امتیاز حاصل ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ اِلَى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا" (الاسراء: ۱۷/ ۷۸)

زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک (ظہر، عصر، مغرب وعشاء) کی نماز قائم کرو اور فجر کی نماز بھی کیونکہ فجر کی نماز کی گواہی دی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ ایک قول مغرب اور دوسرا جمعہ کا بھی ہے، شیخ محمد عبدہ کے یہاں صلوۃ سے ادائیگی نماز اور وسطیٰ سے "فضلیٰ" (بہترترین) مراد ہے یعنی نماز کو نہایت سلیقے سے ادا کیا جائے، جس میں دل پورے طریقہ سے محو ہو اور نفس پر خشوع وخضوع طاری ہو، ریا کاروں اور غفلت برتنے والوں جیسی نمازیں نہ ہوں۔ رشید رضا کا خیال ہے کہ کوئی ایسی نص صریح نہیں ہے جو استاذ محترم کے خیال کے منافی ہو۔(۲۴)

مفردات قرآن:

اس تفسیر کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ مفردات کی تشریح وتفسیر میں خاصی عرق ریزی کی گئی ہے، مفردات پر متقدمین نے متعدد کتابیں ترتیب دی ہیں، کیونکہ مفردات کے معانی کے تعین کے بغیر تفسیر آیات کا حق پورا نہیں ہوسکتا ہے، مفردات کی تشریح بھی اسی وقت ممکن ہے جبکہ عربی زبان وادب اور لغت پر اچھی گرفت ہو، اس میں ہرگز مبالغہ نہیں کہ شیخ محمد عبدہ اور رشید رضا کی عربی لغت اور زبان وادب پر دسترس تھی۔ یہاں کچھ الفاظ بطور مثال پیش کئے جارہے ہیں تاکہ اس تفسیر کی خصوصیت بھی منظر عام پر آجائے۔

السفهاء: سفاہت دراصل فکری، عقلی اور اخلاقی اضطراب والجھاؤ کا نام ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ اس کی بردباری، متانت اور ذہن الجھنوں کا شکار ہے، "زمام سفیہ" کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب جب اونٹنی پر شوخی طاری ہو جائے اور آپے سے باہر ہو جائے اور مالک پریشان ہو، اسی طرح کہا جاتا ہے کہ اس کی عقل پر جہل اور غیظ وغضب طاری ہے، جس شخص کے یہاں اخلاقی گراوٹ ہو اور عظمت وفضیلت سے محروم ہو اسے "سفیہ" (بے وقوف) کہا جائے گا۔(۲۵)

الوسط: وسط کا مفہوم عدل اور خیار ہے، یعنی وسط کی توضیح یوں ہے کہ مطلوبہ معیار سے اگر چیز زیادہ ہے تو اسے افراط کہیں گے اور اگر کم ہے تو تفریط اور تقصیر کہیں گے، افراط اور تفریط دونوں صراط مستقیم کے برعکس ہیں اسی لیے دونوں کو

مذموم اور شر سے تعبیر کریں گے۔ خیار کا مفہوم یہ ہے کہ ایک چیز کسی امر کے دونوں جانب کے وسط میں واقع ہو، استاذ محمد عبدہ کا خیال ہے کہ خیار کے بجائے وسط اس توضیح کے لیے لایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص وسط میں ہوگا تو وہ دونوں جانب یکساں طریقے سے دیکھ سکتا ہے، اسی لیے امت مسلمہ کو خیار اور عدول کہا گیا کیونکہ امت وسط ہے، وہ غلو اور افراط وتفریط سے پاک ہے، اسی لیے اسے حد سے تجاوز کرنے والوں اور مسرفین میں شمار نہیں کیا گیا۔ امت مسلمہ سے قبل آنے والی اقوام میں سے کسی کو امت وسط سے خطاب نہیں کہا گیا، کیونکہ ان کے یہاں روحانی اور جسمانی امور میں اعتدال کا فقدان ہے، اسی لیے امت وسط ہونے کے سبب اسے قرآن کریم میں ''شہداء'' کے لقب سے موسوم کیا گیا، اور محمد مصطفی ﷺ ''وسط'' کی ایک اعلیٰ ترین مثال تھے اس لیے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کی امت کے متعلق قرآن کریم میں کہا گیا:

''وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَ یَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا'' (البقرۃ: ۲/۱۴۳)	اور اسی طرح ہم نے امت وسط بنا دیا، تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو، اور رسول تم پر گواہ رہیں۔

یہ وہ امت وسط ہے جو سیرت پاک کو اپنانے والی اور اسلامی شریعت کی اتباع کرنے والی ہے، اسی لیے اسے بین الناس قاضی بھی قرار دیا گیا ہے، اگر کوئی سیرت پاک اور صراط مستقیم کا باغی ہے تو اسے امت وسط میں شمار نہیں کیا جائے گا (۲۶) ''امت وسط'' ہونے کے سبب قرآن کریم نے اس کی تعریف یوں بیان کی ہے:

''کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ'' (آل عمران: ۳/۱۱۰)	تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کئے گئے ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

زمخشری نے اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ جو لوگ مثالی انداز میں درمیان سے اٹھتے ہوئے ایک طرف ہو جائیں انہیں قوم وسط کہا جائے گا زمخشری نے ایک شعر سے یوں استشہاد کیا ہے:

كانت هي الوسط المحمى فاكتنفت بها الحوادث حتى اصبحت طرفا (۲۷)

(یہ درمیان بالکل محفوظ تھی کہ حوادث نے اسے گھیر لیا، یہاں تک کہ ایک طرف جا لگی۔)

تصریف الریاح:

یہ وہ ہوا ہے جو بادلوں کو بکھیرتی ہے اور اسے فضا میں ادھر ادھر ہانکتی رہتی ہے، یہاں تک کہ بخار پانی بن کر برسنے لگتا ہے، قرآن کریم میں مذکور ہے ''اللّٰہ الذی یرسل الریاح'' (اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے) تصریف ریاح دراصل ایک نظام ہے جو نظام الٰہی کے ساتھ پابند ہے، یہ ہوائیں چاروں اطراف گھومتی رہتی ہیں، کبھی باد صبا تو کبھی یہی باد صرصر بن کر ہر طرف سے قہر برپا کرتی ہیں، اسی لیے اسے ''عقیم'' بھی کہا گیا ہے یعنی جس میں کوئی خیر کا پہلو نہ ہو اور اسی میں

''ملقمہ'' بھی شامل ہے یعنی جو ہوائیں بارش برسانے والے بادل کو لاکر درختوں کی شاخوں کو ثمر بار کر دیتی ہیں، یہی ہوائیں کہیں حرارت تو کہیں برودت کی وجہ بن جاتی ہیں۔(۲۸)

کلمات:

یہ کائنات ایک ایسی کتاب ہے جو اللہ کی صناعیوں اور عجائب وابداعات پر مشتمل ہے، یہ کتاب وجود باری، اس کے کمال اور اس کے جلال و جمال کی غماز ہے۔درج ذیل آیت کریمہ میں اسی کتاب کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

''قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا'' (الکھف:۱۸/۱۰۹)

کہہ دیجئے! میرے پروردگار کے کلمات (لکھنے) کے لیے اگر سمندر روشنائی، بن جائیں تو سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن میرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں گے، اگرچہ ہم اتنے ہی مزید سے کمک رسانی کریں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

''وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ''(لقمان:۳۱/۲۷)

اور اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر کے ساتھ مزید سات سمندر مل کر (سیاہی) بن جائیں تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔

کلمات اللہ کا جائزہ لیا جائے تو حقائق و آثار کے لحاظ سے اسے ابداعات خداوندی اور مخلوقات الٰہی میں سے شمار کیا جائے گا، کلمات اللہ ہر آن انسان سے مخاطب ہیں بلکہ حیوان ناطق ہے کہیں زیادہ فصاحت و بلاغت ان میں موجود ہے، لیکن ان کلمات کی پکار کو وہ نہیں سن سکتا جسے سماعت سے عداوت ہو، جو فہم و فکر کا دشمن ہو، متشککین کا خیال ہے کہ اللہ کی وحدانیت تک ظاہری حقیقی دلائل کے برعکس مناظرانہ مباحث اور منطقی قیاسات کی بنیاد پر رسائی ممکن ہے، اگر ان کا یہ خیال صداقت پر مبنی ہے تو واقعتاً فکری خطوط کی بنیاد پر اللہ کی کتاب سے اس کی وحدانیت تک رسائی ممکن ہے۔اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا کہ اللہ کی دو کتابیں ہیں ایک تو یہ کائنات اور دوسرے یہ کتاب الٰہی جس میں انسان کو تفکر و تدبر کی دعوت دی گئی ہے،(۲۹) اگر انسان اس نقطہ نظر کو اپنا لے تو اسے فکری الجھنوں سے نجات ملے گی اور وحدانیت کی بازیافت ہوگی (۳۰) کتاب کائنات کی طرف قرآن کریم میں اس طرح بھی اشارہ کیا گیا ہے:

''سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ'' (حم السجدۃ:۴۱/۵۳)

عنقریب انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ یقیناً وہی (اللہ) حق ہے۔

مذکورہ آیت میں ''آیات'' ہی ''کلمات اللہ'' ہیں اور الٰہی کلمات اللہ کو بار بار سورۃ الرحمٰن میں ''الآلاء'' کہہ کر بھی ذہن

انسانی کو اس کی طرف موڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کلمات کی ایک سیدھی سادی تفسیر ممکن ہے، اس کی توضیح اس طرح نہ کی جائے کہ یہ ایک فلسفہ بن کر رہ جائے۔(۳۱)

البأساء والضراء:

البأساء اسم ہے، جس کا مفہوم شدت اور افلاس ہے، اور الضراء کا استعمال وہاں ہوگا جب انسان کسی مرض اور جسمانی جراحت میں مبتلا ہو جائے، مفسرین نے یہ بھی تفسیر کی ہے کہ یہ بالعموم شدت جنگ کے وقت بولا جاتا ہے، اور اس طرح کے دیگر مواقع پر صبر کرنا قابل تعریف عمل ہے، مذکورہ تمام امور ایسے ہیں جن کی وجہ سے انسان اضطرابات کا شکار ہو جاتا ہے خصوصاً فقر تو کبھی کبھی کفر کے دہانے پر لا کھڑا کرتا ہے، اس لیے صبر کی خاص تلقین کی گئی ہے(۳۲) ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ انسان کو شہر بدر کرنا، امن وسکون کو غارت کرنا اور دعوت دین کے راستے کو روکنا وغیرہ ''البأساء'' کے زمرے میں آئیں گی اور اگر کسی کو جسمانی اذیت لاحق ہو تو اسے ''الضراء'' کہیں گے۔(۳۳)

الخمر:

''خمر الشئ'' کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے اسے چھپا لیا یا اس پر پردہ ڈال دیا، اس طرح ''خمرت الجارية البستها الخمار'' کا مفہوم یہ ہے کہ لونڈی نے اوڑھنی سے اپنے منہ کو اس طرح ڈھانک لیا کہ اسے دیکھا نہیں جا سکتا ہے، شراب کو ''خمر'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے، اسی طرح ''خامر'' اس وقت بولیں گے جب شراب کو کسی چیز میں ملا دیا جائے، خامر ''تغیر'' (بدلنے) کے معنی میں بھی ہے ''خمر الشئ'' اس وقت کہا جائے گا جب کوئی چیز اپنی ہیئت سے بدل کر کچھ سے کچھ ہو جائے مثلاً juice تبدیل ہو کر شراب کی صورت اختیار کرلے، اسی طرح آٹا اپنی شکل سے تبدیل ہو جائے تو اسے ''خمیر'' کہیں گے، اس کے علاوہ کوئی چیز بھی اپنی انتہا کو پہنچ جائے تو اسے ''اختمر الشئ'' کہیں گے، ابن الاعرابی کا خیال ہے کہ خمر کو خمر اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں خاص بو پیدا ہو جاتی ہے، مذکورہ تمام علامتیں مشروبات مسکرہ میں موجود ہوتی ہیں اس لیے اسے ''خمر'' کہا جاتا ہے۔(۳۴)

الأمة:

امت کے معنی ملت کے ہیں جو مخصوص عقائد اور اصول شریعت کی حامل ہو، ارشاد ربانی ہے:

''اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡنِ'' (الانبیاء: ۹۲/۲۱)

یہ تمہاری امت یقیناً امت واحد ہے، اور میں تمہارا رب ہوں لہٰذا تم صرف میری عبادت کرو۔

آگے مزید بتایا گیا کہ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ تمام انبیا ورسل ایک ہی دین اور ایک ملت کے داعی تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ:

"وَ مِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ" (الأعراف:۷/ ۱۸۱) اور جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے ان میں ایک جماعت ایسی ہے جو حق کے مطابق ہدایت کرتی ہے اور اسی کے مطابق عدل کرتی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

"وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" (آل عمران:۳/ ۱۰۴) اور تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہئے جو نیکی کی دعوت اور بھلائی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔

مذکورہ دونوں آیات سے یہ مترشح ہے کہ اس سے ایسی جماعت مراد ہے جو کسی خاص فکر سے وابستہ ہو اور اسی بنیاد پر اسے ایک جماعت کہا جا رہا ہے۔ امت کا ایک مفہوم مدت بھی ہے، ارشاد ربانی ہے:

"وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ" اور اس نے بڑی مدت کے بعد یاد کیا۔(یوسف: ۱۲/ ۴۵)

اس کا ایک مفہوم امام بھی ہے، ارشاد الٰہی ہے:

"اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ" یقیناً ابراہیم اللہ کے فرمانبردار امام تھے۔(النحل : ۱۶/ ۱۲۰)

امت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ تمام معروف اقوام میں ایک مخصوص علامت کی حامل قوم، ارشاد ربانی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" (آل عمران:۳/ ۱۱۰) تم لوگ سب سے بہترین قوم ہو، جسے لوگوں (کی اصلاح کے لیے) پیدا کیا گیا ہے۔

اس آیت میں بھی درحقیقت جماعت ہی کے معنی میں ہے، لیکن یہاں خصوصاً ایک امتیازی شان کی حامل قوم کے لیے آیا ہوا ہے اور وہ ممتاز قوم ملت اسلامیہ ہے، جسے قرآن کریم میں ہدایت یافتہ ملت قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ "دین قویم" (دین معتدل) کی تابع دار ہے۔(۳۵)

کلام عرب:

مذکورہ سطور سے یہ واضح ہوگیا کہ اس تفسیر کی ایک خاص علامت یہ ہے کہ مفردات القرآن پر غیر معمولی توجہ دی گئی ہے، اس روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ عبدہ اور رشید رضا کو لغت کی باریکیوں اور زبان وادب کی لطافتوں پر دسترس تھی، تفسیر کا ایک بنیادی اصول ہے کہ مفسر کی لغت پر گہری نظر ہوتا کہ قرآنی الفاظ کے مزاج اور رنگ وآہنگ سے واقف ہو کر وہ الفاظ کے صحیح معانی بتا سکے۔ الفاظ کے معانی کا تفسیر میں نہایت مؤثر کردار ہے، ایک مفسر اس صلاحیت کے بدون تفسیر کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ تفسیر المنار کے دوسرے حصہ میں کلام عرب سے استشہاد کی بین مثال موجود ہے، اصول تفسیر میں بھی اس کا اہم رول ہے کیونکہ قرآنی کریم قدیم عربوں کی زبان میں نازل ہوا اور ان کی زبان کے جاننے کا سب سے اہم طریقہ قدیم عربی شاعری ہے۔(۳۶) عربی شاعری زبان وادب بلکہ عربوں کی تہذیب وثقافت کی بھی غماز ہے، بہرکیف مفردات کے

معانی اور اسالیب کے نظائر کلام عرب میں تلاش کئے جاسکتے ہیں، محمد عبدہ نے اس سلسلے میں ایک کامیاب کوشش کی ہے جس کی چند مثالیں تفسیر المنار سے پیش کی جارہی ہیں۔

آیت کریمہ ''أولئک ما یأکلون فی بطونهم الا نارا'' میں ''أکل فی ا لبطن''کامفہوم یہ ہے کہ کسی چیز سے پیٹ کو بھرنا، اگر یہ کہا جائے کہ ''أکل فی بطنه'' تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس نے اپنے پیٹ کو بھر لیا۔-لیکن ایک حریص اگر کھانے سے اپنے پیٹ کو بھر پارہا ہو اور کھا کے شکم سیر نہ ہو پارہا ہو مگر اس جہنم کی آگ سے جس کی طرف (اہل جہنم) بھاگ رہے ہوں گے۔جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:''ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب''(ابن آدم کے پیٹ صرف مٹی سے بھرے جائیں گے۔) اہل جہنم کے شدت عذاب کی تعبیر کے لیے ''أکل النار''لایا گیا ہے، یہی مفہوم مندرجہ شعر میں بھی ہے:

دمشق خذیها لا تفتک قلیلة تمر بعودی نعشها لیلة القدر

(اے دمشق اسے پکڑلو، وہ تمہارے ہاتھ سے جانے نہ پائے، چنانچہ رات اس کے جسم کی خوشبو کو لے کر شب قدر کے مانند گزر رہی ہے)

أکلت وما الا لم أرعک بضرة بعیدة مهوی ا لقرط طیبة النشر

(میں خون پی رہا ہوں، گرچہ پھر بھی تمہیں کسی سوکن سے نہیں ڈرا رہا ہوں (جس کی) بالی کی پرکشش جگہ سے دور دور تک فضا معطر ہے)

یہاں ''دم'' سے دیت (خون بہا) ہے جو اس کی پریشانی کا سبب بنی ہے جس کا کھانا عربوں کے یہاں ایک عار ہے۔(۳۷)

آیت کریمہ ''فما أصبرهم علی النار'' سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مستقل آگ کا کھانا اور اس پر اکتفا کرنا ایک تعجب خیز اور حیرت انگیز واقعہ ہے اور اس میں ان کی ذلت آمیز صورت حال کا اظہار بھی ہے، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے زندگی کو عارضی زندگی پر ترجیح دی ہے، حق کے مخالف اور باطل کے طرف دار تھے آج اپنے دنیاوی عمل کی وجہ سے آگ پھانکے جارہے ہیں، یہ آگ ان کی پسلیوں کے اندر دہک رہی ہے، حق کی مخالفت کی قیمت انہیں یہ چکانی پڑ رہی ہے کہ انہیں ''ضریع'' (خاردار جھاڑی) جیسا موذی کھانا پیش کیا جارہا ہے جس سے نہ تو ان کی جسامت بڑھے گی اور نہ ہی بھوک دور ہوگی، یہ چیز بھی پیش نظر رہے کی باطنی عذاب ظاہری عذاب سے کہیں بدتر ہے، اسی لیے یہاں ''أکل النار فی البطن'' کہا گیا ہے۔(۳۸) یہی مفہوم مندرجہ شعر میں بھی ہے:

دخول النار للجمهور خیر من الهجر الذی هو یتقیه

(ہجرت کردہ شخص کے لیے آگ میں جانا بہتر ہے اس ہجرت سے جس سے وہ بچنا چاہتا ہے)۔

لأن دخوله فی النار أدنی عذابا من دخول النار فیه

(کیونکہ اس کا آگ میں داخل ہونا اس سے کہیں کمتر ہے کہ اس کے اندر داخل کیا جائے۔)

قرآن کریم کی حقانیت کا اعتراف جس طرح دیگر تحریروں میں کیا گیا ہے اسی طرح قرآن نے اپنی زبان میں اپنی صداقت کا اعلان کیا ہے، اس سلسلے کی متعدد آیات ہیں۔ارشاد ربانی ہے:

"هٰذَا كِتٰبُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ" ہماری یہ کتاب تمہارے بارے میں سچ سچ بیان کردے گی۔

(الجاثية: ۲۹/۴۵)

ایک دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے:

"اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ" (الاسراء: ۹/۱۷) یہ قرآن یقیناً اس راہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھی ہے اور مومنین کو بشارت دیتا ہے۔

قرآن کریم کی صداقت اور ہدایت کے متعلق شاعر نے اس طرح اظہار خیال کیا ہے۔(۳۹)

ضربت علیک العنکبوت بنسجها قضی علیک به الکتاب المنزل

(مکڑی کے جال بننے کی مثال تمہارے سامنے پیش کی گئی ہے اور اسی کے ذریعہ کتاب آسمانی نے تم کو وصیت کی ہے۔)

شراب کے مختلف نقصانات اور مضر اثرات ہیں اس کے متعدد مادّی، روحانی اور جسمانی خسارے ہیں، اس کا ایک مادّی نقصان یہ ہے کہ شرابی اپنے مال ومتاع کو لٹانے لگتا ہے(۴۰) اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ پھکڑ بن جاتا ہے، اس کا شدید احساس دورِ جہالت میں بھی موجود تھا جیسا کہ عنترہ کا شعر ہے:

فاذا شربت فانیٰ مستهلک مالی (۴۱)

(پس پینے کے بعد اپنے مال کو برباد کرنے لگتا ہوں۔)

سورہ بقرہ میں طلاق سے متعلقہ احکام ومسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، اس سلسلے میں بیان کردہ حدود کی پیروی کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور ہدایات کے بعد "ولا تتخذوا آيات الله هزوا" (اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ) کہا گیا ہے اور اس کے بعد 'واتقوا الله" (اور اللہ سے ڈرو) آیا ہوا ہے، ان پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے عبدہ کا کہنا ہے کہ اگر کسی بات کی بار بار تاکید کی جائے تو انسانی ذہن پر یہ چیز اثر انداز ہوتی ہے گرچہ وہ سنگ دل ہی کیوں نہ ہو، (۴۲) یہی اسلوب شاعر کے یہاں بھی موجود ہے:

أما ترى الحبل بتكراره في الصخرة الصحراء قد أثرا

(کیا یہ تمہیں معلوم نہیں کہ بار بار کی ملاقات ٹھوس پتھر (سنگ دل شخص) پر اثر انداز ہوتی ہیں)

آیت کریمہ "وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (اور بچے والے کے ذمہ دودھ پلانے والی ماؤں کا روٹی کپڑا معمول کے مطابق ہوگا) کی روشنی میں یہ وضاحت کی گئی کہ بیٹے کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے، یہاں مولود سے باپ مراد ہے، شعرا کے یہاں یہ تعبیر بکثرت ہے کہ لڑکے باپ کے ہوتے ہیں، انہی کے حوالہ سے انہیں پکارا جاتا

ہے، والدہ محترمہ کی بس اتنی حیثیت ہے کہ رحم مادر میں بیٹے کی پرورش ہوتی ہے، اسی کو مامون نے اس طرح پیش کیا ہے:

وانما أمهات الناس أوعية مستودعات وللآباء أبناء(۴۳)

(اور مائیں محض برتن (یعنی محافظ) اور حفاظت کی جگہ (رحم مادر) ہیں اور بیٹے باپ کے ہوں گے۔)

قنوت:

آیت "وقوموا لله قانتين" کی تشریح کرتے ہوئے استاذ محمد عبدہ نے فرمایا کہ اللہ تعالی اپنی عبادات میں انتہائی درجہ کے انہماک کا خواستگار ہے، قنوت میں یہ مفہوم بھی ہے کہ خشوع وخضوع میں مداومت ہو، یعنی بندہ مومن سے خشیت ہو اور اللہ کی عظمت وہیئت کا غیر معمولی شعور وادراک موجود ہو، انہی احساسات کے ساتھ نماز کی تکمیل ہوتی ہے، حقیقی مصلیٰ دنیا کی تمام الجھنوں سے فارغ ہو کر دل ذکر الٰہی میں لگا دیتا ہے، قنوت کے مختلف معانی کو ابن عربی نے اس طرح منظوم کیا ہے: (۴۴)

ولفظ القنوت اعددمعانيه تجد مزيدا على عشر معانى مر ضية

(اور لفظ "القنوت" کے میں نے متعدد معانی بتائے ہیں، تم (اس کے) دس پسندیدہ مطالب کے علاوہ بھی پاؤ گے)

دعاء، خشوع، والعبادة، طاعة اقامتها اقرارنا بالعبودية

(پکار، خشوع، عبادت اور فرمانبرداری ہے، عبودیت کے توسط سے اس کا قائم کرنا ہمارا مطمح نظر ہے)

سكوت صلوة والقيام وطوله كذالک دوام الطاعة الرابح النية

(سکوت صلوٰۃ، قیام اور طول قیام ہے، اسی طرح دائمی اطاعت اور نفع بخش نیت (اخلاص نیت) ہے۔

آیت "ألم تر الى الذين خرجوا من ديارهم" (کیا آپ نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے فرار ہو گئے)۔ سے نمایاں ہے کہ یہود کے دلوں میں بزدلی پوری طرح سرایت کر چکی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے گھروں کو خالی کر گئے کیونکہ وہ جنگ سے فرار اختیار کرنا چاہ رہے تھے اس لیے کہ وہ خوف زدہ تھے جبکہ یہ فرار اور یہ بزدلی خود ان کے لیے ہلاکت تھی۔ (۴۵) جسے ابو الطیب متنبّی نے اس طرح کہا ہے:

يرى الجبناء أن الجبن حزم وتلک خديعه ا لطبع اللئيم (۴۶)

(بزدلوں کے خیال میں بزدلی ہوشیاری ہے اور جبکہ وہ طبع لئیم کا مکر ہے)

آیت "فلما كتب عليهم القتال تولوا الا قليلا منهم" (جب انہیں جنگ کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے) میں بنی اسرائیل کی ذہنیت بیان کی جا رہی ہے کہ حضرت طالوت ابن کش نے جب انہیں جنگ کا حکم دیا تو ان اکثریت جنگ سے مکر گئی، اس میں دراصل ایک معاشرتی سنت بیان ہوئی ہے کہ قوم جب اخلاقی بگاڑ کا شکار ہوتی ہے تو وہ اپنی مدافعت کے باب میں قدم اٹھانے کے برعکس، ہیص بیص میں مبتلا ہو جاتی ہے، اور ان کی بزدلی کی تصویر شاعر کے اس خیال میں موجود ہے (۴۷)

واذا ما خلا الجبان بأرض   طلب الطعن وحده والنزالا

(اور بزدلی کسی بھی خطے میں ہو وہ صرف طنز وتعریض اور حادثے کا طالب ہوتا ہے۔)

لباس:

آیت "هن لباس لکم وانتم لباس لهن" (وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو) میں لفظ لباس کے متعلق استاذ محمد عبدہ کا خیال ہے کہ "لباس" مصدر ہے اور یہ لابس اور خالط کے معنی میں ہے، جسے "دخائل" (اندرونی حصہ) بھی کہا جاسکتا ہے، اس کا اطلاق لباس اور ازار پر نہیں ہوگا۔ ابن عباس کا خیال ہے کہ اس آیت کا مفہوم یوں ہے "هن سكن لكم وانتم سكن لهن" (اور عورتیں تمہارے باعث سکون اور تم ان کے لیے باعث سکون ہو) نیز بیشتر مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے "معانقہ" مراد ہے۔(۴۸) استشہاد میں ذبیانی کا شعر نقل کیا گیا ہے:

اذا ما الضجيع ثنى عطفهأ   تثنت عليه فكانت لباسا(۴۹)

(جب سونے والا عورت کے پہلو کو موڑتا ہے تو وہ اس کے سینے پر اس طرح جا پڑتی ہے کہ (اس کا) لباس بن جاتی ہے)

الخیط الأبیض:

آیت "كلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود" (راتوں کو) خورد و نوش کرو یہاں تک کہ فجر کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے نمایاں ہو جائے) میں "الخیط الأبیض" سے صبح صادق مراد ہے اور یہیں سے صیام کی ابتدا ہوتی ہے اور یہی تحدید آیت کریمہ میں مقصود ہے(۵۰) جس کی طرف متنبّی نے اشارہ کیا ہے:

وهبتی قلت هذا الصبح ليل   أيعمى العاملون عن الضياء(۵۱)

(فرض کرو کہ میں یہ کہہ دوں کہ یہ صبح تو رات ہے تو کیا دنیا والے کو یہ روشنی نظر نہیں آرہی ہے؟)

وہی ایک دوسری جگہ کہتا ہے:

وليس يصح فى الأذهان شئ   اذا احتاج النهار الى دليل(۵۲)

(کسی بھی چیز کی تصویر ذہنوں میں صحیح آنے والی نہیں ہے، جب دن ہی دلیل کا محتاج ہو جائے)۔

الاشھاد:

آیت "ويشهد الله على ما فى قلبه" میں "یشهد" و "یحلف" یعنی قسم کھانے کے مفہوم میں ہے یعنی اس کے دل میں جو کچھ ہے اور جس چیز کا دعویٰ کر رہا ہے اس سے اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہے، گویا انسان کے تمام مخفی اور ظاہری ارادوں سے ذات الٰہی آگاہ ہے اسی بات کی وہ قسم کھاتا ہے(۵۳) جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ" (یٰس: ۳۶/۱۶)   رسولوں نے کہا: ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم تمہاری ہی طرف بھیجے گئے ہیں۔

یہی تاکید کلام عرب میں اس طرح موجود ہے:

ألیس الله یعلم أن قلبی یحبک أیها البرق الیمانی

(کیا اللہ کو معلوم نہیں ہے کہ میرا دل تم پر فریفتہ ہے، اے برق یمانی (داہنی جانب سے چمکنے والی بجلی، مراد محبوبہ)

مذکورہ مباحث سے تفسیر المنار کی بہت سی خصوصیات منظر عام پر آ گئیں، محمد عبدہ نے تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کو اولیت دی ہے جیسا کہ راقم الحروف نے المنار کی پہلی جلد پر تحریر کردہ اپنے مضمون میں اس کی صراحت کی ہے(۵۴) اس کے بعد''لتبین للناس'' کے ضمن میں تفسیر قرآن کے لیے حدیث سے استفادہ کیا گیا ہے، لیکن حدیث کو قرآن پر حکم تصور نہیں کیا گیا بلکہ بعض حدیث کو نقل کر کے اس پر اپنا نقطہ نظر بھی ظاہر کیا گیا ہے، مثلاً تعداد طلاق سے متعلق ایک حدیث کو نقل کرتے ہوئے رشید رضا نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس میں اضطراب ہے اور طلاق ثلاثہ سے متعلق جو دو دیگر روایات ہیں ان سے اس کا تعارض بھی ہے۔(۵۵) اسی طرح ایک جگہ محمد ابن مروان کوفی کے متعلق رشید رضا نے بتایا کہ یہ''کذاب'' ہے۔اس تفسیر میں متعدد ایسے مقامات ہیں جہاں پر رواۃ اور نص حدیث پر کلام کیا گیا ہے۔

تفسیر المنار میں اسرائیلی روایات پر بھی تنقید کی گئی ہے،(۵۶) تابوت سکینہ کے بارے میں تفاسیر میں متعدد روایات جگہ پا گئی ہیں، اس تابوت کے بارے میں ایک اسرائیلی روایت یہ ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ نازل ہوا، ظاہر ہے کہ اس میں صداقت کا شائبہ بھی نہیں ہے، یہود نے یہ تمام روایات اس لیے گڑھی ہیں تاکہ مسلمانوں کو دھوکہ دیا جائے، خصوصاً تفاسیر قرآن میں بے معنی یہ تمام روایات اس لیے گھسائی گئی ہیں تاکہ قرآن کریم کے تئیں ان کے عقائد میں تزلزل پیدا ہوں، علماء یہود مستقلاً قرآن کریم کو ہدف تنقید بنائے ہوئے ہیں اور اسی طنز وتعریض کے ذریعہ اپنی قوم کو قرآن سے ہم کنار نہیں ہونے دیتے۔(۵۷)

اسرائیلیات کے سلسلے میں رشید رضا کا خیال ہے کہ یہ ہمارے نزدیک یکسر قابل اعتبار نہیں ہیں، واقعات وقصص کے باب میں ہمارے نزدیک صرف قرآن کریم معتبر ومستند ہے۔(۵۸) رشید رضا نے ان مفسرین کو ناپسند کیا ہے جنھوں نے واقعات کے سلسلے میں اسرائیلی روایات سے استدلال کیا ہے اور انہیں قرآن کریم سے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔(۵۹)

اس تفسیر کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ بہت سی آیات کی سائنسی تفسیر پیش کی گئی ہے۔(۶۰) اور اس میں اسباب نزول پر غیر معمولی توجہ دینے کو ناپسند کیا گیا ہے۔کیونکہ اس کی وجہ سے قرآن کریم کی آیات میں نظم اور ترابط سخت متاثر ہوتا ہے ایک منظوم ومربوط کلام الٰہی کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور جملوں کی باہمی تنسیق وتنظیم ختم ہو جاتی ہے، اس طرح ہر آیت کا کوئی نہ کوئی سبب نزول ہے اور ہر آیت کسی ایک نہ ایک مسئلے سے جڑی ہوئی ہے۔(۶۱) جبکہ تمام آیات اور تمام سورت ایک دوسری میں اس طرح گندھی ہوئی ہیں کہ کسی آیت یا کسی سورت کو اس کے اصل مقام سے ہٹایا گیا تو قرآن کا پورا نظم اور تناسب درہم برہم ہو جائے گا اور ایک مربوط سلسلۂ کلام ٹکڑیوں میں بٹ کر رہ جائے گا۔(۶۲)

مذکورہ سطور سے کافی حد تک تفسیر المنار کے تفسیری اسلوب کو سمجھنا ممکن ہے، یہ بیسویں صدی کی ان نمائندہ تفاسیر میں شامل ہے جس کے عرب اور غیر عرب مفسرین پر اثرات مرتب ہوئے ہیں، بالخصوص عصر حاضر کے حالات اور نئی نسل کی سوچ کو مدنظر رکھتے ہوئے ترتیب دی گئی ہے، یہ عصری اسلوب کی ایک نمائندہ تفسیر ہے، اسی لیے اس میں صرف مفسرین کے اقوال کو بنیاد نہیں بنایا گیا بلکہ تفکر وتدبر کو شاہ کلید قرار دیا گیا، مفسرین کے خیالات سے استفادہ کے ساتھ ساتھ ان سے دلائل کی بنیاد پر اختلاف بھی کیا گیا، یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ قرآنی علوم ومعارف کی ترویج واشاعت میں استاذ اور شاگرد دونوں کی خدمات لائق ستائش ہیں۔

مراجع وحواشی

۱- مولانا فراہی نے نظم قرآن پر نہایت مدلل بحث کی ہے، دیکھئے دلائل النظام، المعلم عبدالحمید الفراھی، الطبعۃ الأولی، المطبعۃ الحمیدیۃ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ (الھند)، ۱۳۸۸ھ (الصفحات: ۱۲۷) بیروت۔

۲- **مفردات القرآن، الامام عبد الحمید الفراھی (تحقیق وشرح الدکتور محمد اجمل ایوب الاصلاحی) دار الغرب الاسلامی بیروت، الطبعة الاولی، ۲۰۰۲ء ص ۴۷۶**

۳- **تفسیر المنار، الشیخ محمد عبده، (تالیف: السید محمد رشید رضا) الطبعة الثانیة، مطبعة المنار، مصر، ۱۳۵۰ھ، ۲/۲۸۴**

۴- ایضاً، ص ۴۶۸، قرآن کے مقام ومرتبہ کے لیے دیکھئے: قرآن مجید کا مقام ومرتبہ اوراس کے تقاضے، ظفر الاسلام اصلاحی، حلقہ درس قرآن، علی گڑھ، ۲۰۰۷ء، (الصفحات: ۱۱۲)

شیخ محمد عبدہ اور رشید رضا نے اس تفسیر میں جا بجا امت مسلمہ کو دین فطرت اور قرآن کریم کی دعوت دی ہے، بار بار یہ مسئلہ اٹھایا گیا ہے کہ صرف قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے جو امت مسلمہ کو ہر گرداب سے نکال سکتی ہے، اس سلسلے کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"ألسنا نحن المسلمین أولی بهذا الآداب فی الرضاع والتربیة من غیرنا؟ ان کانت الفطرة تقضی به فدیننا دین الفطرة، وان کان العلم یدل علیه فقد علمنا الله ذلک فی کتابه وعلی لسان رسوله ولم نعرف أن دیننا أرشد الی ما ارشده الیه دیننا من ذلک وان کانت القدوة هی التی یعول علیها فقد علمت ما کان من أئمة علمائنا فی ذلک، فاللهم وفق المسلمین أی الاهتداء، بهذا القرآن، لیتحققوا بحقیقة الاسلام والایمان" (دیکھئے: تفسیر المنار، ۲/۴۱۷)

۵- وضاحت کے لیے دیکھئے: مصر میں مقالہ نگاری کا ارتقاء، ابوسفیان اصلاحی، شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، اشاعت اول، مارچ ۱۹۹۸ء، ص ۳۱۰-۳۱۱

۶- قصیدۂ بردہ کی شرح کے لیے دیکھئے: **شرح البرده للبوصیری، الشیخ الإمام خالد الأزهری، مکتبة الاندلس، بغداد، مطبعة الارشاد، بغداد**، ۱۲/۹/۱۹۶۶ء، (الصفحات: ۱۶۰) انگریزی شرح کے لیے دیکھئے:

The poem of scarf by shaikh Faizullah Bhat, B.A., Education society's steam press, Bombay, 1893. (pp. 34)

۷- تفسیر المنار،۲/۹۰ ۸- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا،۲/۲۳۹-۲۲۱ ۹- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا،۲/۲۰۴

۱۰- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا،جمال الدین الافغانی، محمود ابوریة،لمجلس الاعلی للشئون الاسلامیة، القاھرۃ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء،ص ۵۳-۷۴

۱۱- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا،۲/۴۳۴-۴۳۵ ۱۲- وضاحت کے لیے دیکھئے: المنار،۲/۲۹۰

۱۳- وضاحت کے لیے دیکھئے: تفسیر المنار،۲/۲۷۲-۲۷۳ ۱۴- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا،۲/۱۴۶-۱۴۹

۱۵- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا،۲/۱۵۶-۱۵۸

۱۶- تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، باراول، تاج کمپنی، دہلی،۱۹۷۹ء،۱/۱۴۶-۴۵۰

۱۷- تدبر قرآن میں ''یطیقون کی لغوی تحقیق''، محمد اجمل اصلاحی، (علوم القرآن، ادارۂ علوم القرآن، علی گڑھ، جنوری ۱۹۹۸ء-دسمبر ۲۰۰۰ء، جلد ۱۳-۱۵، ص ۱۳۷

۱۸- وضاحت کے لیے دیکھئے: تفسیر المنار،۲/۱۶۱-۱۶۲ ۱۹- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا،۲/۱۶۳

۲۰- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا،۲/ ۳۵۷ ۲۱- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا،۲/ ۳۷۵-۳۸۰

۲۲- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا،۲/ ۱۱۶ ۲۳- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا،۲/ ۴۳۶-۴۳۷

۲۴- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا،۲/ ۴۳۸ ۲۵- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا،۲/۳

۲۶- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا،۲/۴

۲۷- الکشاف، الزمخشری (رتبه و ضبطه وصححه: مصطفی حسین احمد) الطبعة الثانیة، مطبعة الإستقامة، القاھرۃ، ۱۳۷۳ھ

۲۸- تفسیر المنار،۲/۶۲-۶۳، ''تصریف الریاح'' کی توضیح وتفسیر مولانا امین احسن اصلاحی نے نہایت عمدہ انداز میں بیان کی ہے۔ (وضاحت کے لیے دیکھئے: تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، دارالاشاعت الاسلامیہ، لاہور، باراول، ستمبر ۱۹۶۷ء،۱/۳۵۴

۲۹- تفسیر المنار،۲/۶۴

۳۰- وضاحت کے لیے دیکھئے: دوقرآن، ڈاکٹر غلام برق جیلانی، کتاب منزل، لاہور،۱۹۵۸ء، صفحات: ۳۵۹)

۳۱- وضاحت کے لیے دیکھئے: کلمات اللہ کی وسعت اور سمندر کی تنگ دامانی، وسیم احمد، علوم القرآن، جولائی-دسمبر ۲۰۰۶ء، ۲۱/۲، ص ۱۳۲-۱۴۰

۳۲- تفسیر المنار،۲/۱۲۱ ۳۳- ایضا،۲/۳۰۰ ۳۴- ایضا،۲/۳۲۳

۳۵- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا،۲/۲۷۶

۳۶- وضاحت کے لیے دیکھئے: تفسیر فراہی میں کلام عرب سے استشہاد، ابوسفیان اصلاحی، مجلّہ علوم القرآن، علی گڑھ

۳۷- وضاحت کے لیے دیکھئے: تفسیر المنار،۲/۱۰۴ ۳۸- ایضا،۲/۱۰۶

۳۹- ایضا،۲/۲۸۴-۲۸۵ ۴۰- ایضا،۲/ ۳۲۸ ۴۱- پورا شعر یوں ہے:

فإذا شربتُ فاننی مستهلک مالی وعرضی وافر لم یکلم

ایک دوسری روایت میں ''شربتُ'' کی جگہ ''انتشیتُ'' ہے۔ (**شعراء النصرانیة، جمعه ووقف علی طبعه وتصحیحه الأب لویس شیخو الیسوعی) مطبعة الآباء المرسلین الیسوعیین، بیروت، ۱۸۹۰ء، ۱/۲/۸۱۲**

۴۲- وضاحت کے لیے دیکھئے: تفسیر المنار،۲/۳۹۹-۴۰۰ ۴۳- تفسیر المنار،۲/۴۱۱

۴۴- ایضا،۲/ ۴۳۸-۴۳۹ ۴۵- ایضا،۲/ ۴۵۷

۴۶- اس شعر کی ایک روایت اور بھی ہے:

یری الجبناء أن العجز عقل وتلک خدیعة الطبع اللئیم

(دیوان المتنبی ،الطبعۃ الثانیۃ ،مطبعہ ہندیہ بالموسکی ،مصر ،۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء،ص ۱۸۰)

۴۷- تفسیر المنار ،۲/ ۴۷۵-۴۷۶　　۴۸- ایضا ،۲/ ۱۷۶　　۴۹- نابغہ ذبیانی کے دیوان میں یہ شعر نہیں ہے۔

۵۰- تفسیر المنار ،۲/ ۱۸۳　　۵۱- دیوان المتنبی ،ص ۵۵

۵۲- اس شعر کی ایک روایت اور ہے:

ولیس یصح فی الأفهام شئ　　إذا احتاج النهار إلی دلیل

(دیوان المتنبی ،ص ۲۶۱)

۵۳- تفسیر المنار ،۲/ ۲۴۵

۵۴- وضاحت کے لیے دیکھئے: تفسیر المنار، جلد اول، تحلیل وتجزیہ، ابوسفیان اصلاحی ،مجلّہ علوم القرآن (خصوصی اشاعت: مقالات سیمینار: قرآنی علوم بیسویں صدی میں) ادارہ علوم القرآن، سرسید نگر، علی گڑھ، جنوری ۲۰۰۱ء-دسمبر ۲۰۰۵ء/۱۴۲۲ھ-۱۴۲۶

۵۵- تفسیر المنار ،۲/ ۴۸۳

۵۶- سرسید اور فراہی نے بھی اسرائیلیات سے استفادہ کرنے پر تنقید کی ہے، وضاحت کے لیے دیکھئے: Contribution of Sir Sayed Ahmad Khan to Islamic Studies (مرتب: عبدالعلی وسید احسن، ادارہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ص ۳۱۲-۳۱۴

۵۷- تفسیر المنار ،۲/ ۴۸۳　　۵۸- ایضا ،۲/ ۴۵۷　　۵۹- ایضا ،۲/ ۴۵۵

۶۰- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا ،۲/ ۵۷-۶۴

۶۱- وضاحت کے لیے دیکھئے: ایضا ،۲/ ۱۱، نیز ملاحظہ کریں ،۲/ ۱۶۶، یہاں سبب نزول پر اظہار نکیر کیا گیا ہے۔

۶۲- کتاب الہی ایک مربوط کتاب ہے جس کی ایک بہترین نمائندگی مولانا احسن اصلاحی نے اپنی معروف تفسیر ''تدبر قرآن'' میں کی ہے جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے، اس تفسیر میں دراصل مولانا حمید الدین فراہی کے تفسیری اجزاء ''نظام القرآن'' کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اسی انداز پر جاوید احمد غامدی نے ترجمۂ قرآن کا آغاز ''البیان'' کے عنوان سے کیا ہے، جس میں انہوں نے کوشش کی ہے کہ تراجم آیات میں ''نظم'' برقرار رہے۔ بروقت آخری دو سپارے کے تراجم منظر عام پر آچکے ہیں۔ (دیکھئے: البیان: الملک-الناس، جاوید احمد غامدی، دانش سرا، لاہور، ستمبر ۱۹۹۸ء، صفحات: ۲۶۹)